اُصول تفسیر میں تحقیق کااطلاقی پہلواوراس کی تطبیق: تفسیر طبری کے مقدمہ کی روشنی میں

Applied Aspect of Research in Usool-e-Tafseer & its Implementation: According to the prepace of "Tafseer Tabari"

ڈاکٹر فرحت جبیں[i]

Abstract

At the time of Sahabah kiraam and tabieen (Almighty Allah be pleased on them) the rules of interpretation were not in documented shape formally, but it does not mean that these rules were not existed at that time. Actually these principles were in front of Sahabah kiraam, and their understanding of Quran based on it.

Although these rules were not in clear shape, however the mind of researcher can easily understand that cognitions and Islamic Ijtihadaat of these Aemma (scholars) were not based on worthless desires, But it was the result of these principles which had brightened the mind and abilities of the Faqih, whether these rules were not appeared in documented shape in front of people, but when the Islamic state got broader at the result of Islamic Conquests and the Arab spread in these occupied areas, So due to co-living with non-Arab the eloquence and rhetoric of Arabic language got effected and the linguistic skill decreased. So such new incidents and circumstances took place which they had not faced before.

Therefore the requirement of the rules of interpretation and presumption and when did start its documentation has been highlighted in this article.

***Key Words**:* Applied Aspect, Research, Usool-e-Tafseer,Tafseer Tabari

کسی عمل کی کامیابی سے انجام دہی اور سہولت کے ساتھ تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مقررہ اصولوں کے مطابق انجام دیا جائے۔اوراس راہ پر چلاجائے جو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے[1] ارشاد خداوندی ہے:

"وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا[2]"

تفسیر کا عمل بھی اس سے مستثنٰی نہیں، قرآن کو سمجھنے کے لیے چند بنیادی حقائق اور اصول کو سمجھنااوران کی رعایت کرنالازمی ہے[3]۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:

"کسی بھی قانون، کسی بھی نظام اور کسی بھی دستور کی تشریح و تفسیر اگر من مانے اصولوں کی بنیاد پر کی جانے لگے، تو دنیا میں کوئی بھی نظام نہیں چل سکتا جس طرح دنیا کی ترقی یافتہ تہذیت میں قانون ودستور کی تعبیر و تشریح کے اصول مقرر ہیں، جن کی ہر ذمہ دار شارح پیروی کرتاہے۔اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر کے بھی اصول مقرر کئے گئے ہیں[4]۔"

---

i ڈین سوشل سائنسز، الحمد یونیورسٹی کوئٹہ، اسلام آباد کیمپس

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین کے دور میں اصول تفسیر کی باقاعدہ تدوین عمل میں نہیں آئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام کے دور میں ان قواعد کا کوئی وجود نہ تھا، فی الواقع یہ اصول صحابہ کرام کے پیش نظر تھے اور ان کا فہم قرآن انہیں اصولوں پر مبنی تھا[5]۔

"وتلک الضوابط وأن لم تتضح معالمها، الا أن الباحث يجزم أن فهم هولاء الائمة واجتهاداتهم لم تكن عن عبث وهو انما كانت ثمرته لما استضاء به زبن الفقيه وملكته الواعيه المدركة،وان كاذالک لم يخرج إلى حيز الواقع على شكل الأصول والقواعد المدونة[6]"

"اگرچہ ان ضوابط کی شکل واضح نہیں ہوئی تھی۔ تاہم تحقیق کرنے والا سمجھتا ہے کہ ان ائمہ کے ادرکات واجتہادات بے کار اور خواہش پر مبنی نہ تھے۔ بلکہ ان اصول کا نتیجہ تھے۔ جب سے فقیہ کا ذہن اور اس کے بہترین صلاحتیں روشن ہوئی تھیں، اگرچہ خارج میں یہ قواعد مدون شکل میں ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں جب فتوحات کے نتیجے میں اسلامی مملکت وسیع ہوئی اور عرب مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئے۔ تو عجم سے اختلاط کی وجہ سے عربی زبان کی وضاحت وبلاغت اور ملکہ متاثر ہوئی اور لسانی مہارت باقی نہ رہی۔ اس طرح ایسے نئے حالات واقعات پیش آئے جن سے وہ پہلے کبھی دوچار نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ضوابط تفسیر اور اصول استنباط کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کی تدوین شروع ہوئی[7]۔"

بعد کے مفسرین نے جو تفسیری عمل سرانجام دیا، وہ انہیں اصولوں کے روشنی میں تھا۔ المیدانی تحریر کرتے ہیں:

"وكان للمفسرين منهاج فى التفسير، وقد توصل كل منهم، الى القواعد وضحت له فى فكره، فكانت بادية له فى تفسيره،سواء ذكرهذه القواعد واباها منهجا له، أولم يذكرها لكنها كانت ما ثلة فى تصوره، والباحث يلاحظ ذلک من خلال ما قدم فى تفسير[8]"

"مفسرین کا تفسیر کے عمل میں طریقہ کار ہوتا تھا۔ کہ ہر ایک نے ان قواعد سے کام لیا جو واضح طور پر ان کے ذہن میں موجود تھے، تو یہ تفسیر میں ان کی رہنمائی کرتے۔ چاہے ان کا ذکر انہوں نے بطور طریقہ کار کیا ہو یا نہیں۔ تاہم یہ اصول یقیناً ان کے پیش نظر تھے۔ ایک محقق ان کے تفسیری عمل میں ان کو محسوس کر سکتا ہے۔"

مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفسیر کے میدان میں اصول تفسیر کا ایک اہم اور غیر معمولی اہمیت ہے۔ تفسیر کے بعض اصول خود قرآن کریم سے مستنبط ہوئے ہیں اور بعض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرما ہیں۔ اس طرح صحابہ، نے نبی کریم صلی اللہ ولیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں یا اپنے اجتہاد اور اس غیر معولی بصیرت سے کام لے کر مرتب کئے، جو ان کے فطری ذوق سلیم، نبوی تربیت، نزول قرآن حکیم کے ماحول اور پس منظر سے واقفیت سے پیدا ہوتی تھی[9]۔

اصول تفسیر کی اہمیت کے پیش نظر ہم اصول تفسیر کا معنیٰ، اصول تفسیر اور علوم القرآن میں فرق اور دونوں میں توافق اور نسبت ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

اصول کا لغوی واصطلاحی معنی

اصول اصل کی جمع ہے۔ اس کا مادہ (اص ل) ہے۔ جس کا معنی ہے۔ بنیاد، جڑ، اساس، کسی چیز کا نچلا حصہ جس پر وہ بنی ہو۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"الأصل : أسفل كل شئي، استا صلتِ الشجرة:ثبت أصلها[10]"

"اصل کسی چیز کا بنیادی اور نچلا حصہ، اصطلاح میں اصول ان قواعد کلیہ کو کہا جاتا ہے جن پر متعدد جزئیات کا انحصار ہوتا، اور ان سے جزئیات کے حالات و خصوصیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔"

تفسیر کا لغوی واصطلاحی مفہوم

تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے، جو کہ "فسر" سے ہے جس کا معنی ہے پردہ ھٹانا، ظاہر کرنا، فیروز آبادی کہتے ہیں:

"الفسر:الإبانة وكشف المغطى كا لتفسير [11]."

ابن منظور کہتے ہیں:

" التفسير : كشف المراد عن اللفظ المشكل[12]."

"مشکل لفظ کی مراد واضح کرنا تفسیر ہے۔"

اس سے قریب ایک دوسرا لفظ "سفر" ہے۔ جس کا لغوی معنی بھی ہٹانا، ظاہر کرنے اور روشن ہونے کے ہیں، عرب کہتے ہیں:

"سفرت المرأة وجهها: اذاكشفت النقاب عن وجهها[13]"

"عورت نے چہرے سے پردہ ہٹا دیا۔"

قاموس میں لکھا ہے:

" سفر الصبح اضاء واشرق[14]"

علماء کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ "فسر" دراصل "سفر" کے حروف میں تقدیم وتاخیر کرکے بنایا گیا ہے[15]۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں تاہم یہ الفاظ قریب المعنیٰ ضرور ہیں، راغب الاصفہانی فرماتے ہیں:

"فسر" کا استعمال اشیاء عقلیہ اور معانی میں ہوتا ہے، جبکہ "سفر" کسی ٹھوس چیز یعنی مادی چیز کے ظہور کے لیے استعمال ہوتا ہے[16]"

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

لغوی اعتبار سے تفسیر کسی بھی کلام کے معنی کو واضح کرنے اور تشریح کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم بعد میں جب علوم دینیہ مختلف انواع میں تقسیم ہو گئے تو تفسیر ایک باقاعدہ اصطلاح بن گئی، اور یہ تفسیر اصطلاح میں، قرآن کریم کی تشریح و توضیح کے لیے مختص ہو گئی۔ اب اس سے مراد "قرآن کریم کے معانی واضح کرنا، الفاظ کی تشریح، مختلف وسائل کے ذریعے قرآن کریم کے مطالب بیان کرنا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"تفسیر سے مراد کلام اللہ کے معانی و مطالب کو واضح کرنا[17]"

بدرالدین زرکشی فرماتے ہیں:

"یہ وہ علم جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس کتاب (یعنی قرآن کریم) کا فہم حاصل ہوتا ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے[18]"

ابو حیان فرماتے ہیں:

"علم یبحث فیه عن کیفیة النطق بالفاظ القرآن ومدلو لا تها و احکامها الافرادیة والترکیبیة، ومعانیها التی تحمل علیها حالة الترکیب، وتتمات لذلک[19]."

"یہ وہ علم ہے جو الفاظ قرآن کریم کے طرز تلفظ ان کے مدلولات، افرادی و ترکیبی احوال، وہ معانی جو ان سے ترکیب کے حالت میں لیے جا سکتے ہیں۔ بحث کرتا ہے اور دیگر تکمیلی مباحث پر مشتمل ہے"

اصول تفسیر سے مراد وہ بنیادی قواعد و مباحث جو تفسیر کے عمل میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں، یہاں اس سے مراد وہ علم ہے جو مذکورہ قواعد اور اصول پر مشتمل ہوتا ہے۔

اصول تفسیر اور علوم القرآن کا باہمی تعلق اور فرق

اصول تفسیر اور علوم القرآن تقریباً دونوں درحقیقت ایک ہی چیز ہے، مناع القطان لکھتے ہیں:

"یسمی هذا العلم باصول التفسیر لأنه یتناول المباحث التی لابد للمفسر من معرفتها فی تفسیر القرآن[20]."

"اس علم (علوم القرآن کو اصول تفسیر کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں وہ مباحث ذکر ہوتے ہیں جن سے آگاہی مفسر کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ تفسیر قرآن کریم ان پر موقوف ہوتا ہے۔"

اس علم کو یہ نام سب سے پہلے امام ابن تیمیہ نے دیا اور انہوں نے "مقدمة فی اُصول التفسیر" کے نام سے کتاب لکھی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ علوم القرآن اور اصول تفسیر ایک علم ہی کے دو نام۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ علوم القرآن میں ہر موضوع پر تفصیلی بحث ہوتا ہے۔ اور اس بحث میں دوسرے امور بھی آجاتے ہیں۔ تاہم اصول تفسیر اس بحث کا مرکزی نقطہ ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ علوم القرآن کے بعض موضوعات کا تفسیر قرآن کریم سے تعلق ہی نہیں جس طرح جمع القرآن اور وہ ادوات جس پر قرآن کریم لکھا گیا۔

ایک اور بات یہ بھی کہ علوم القرآن کی کتابیں خاص موضوعات پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً مکی مدنی، ناسخ منسوخ، اسباب نزول وغیرہ، جبکہ اصول تفسیر کی کتابیں منتشر اور نئے موضوعات پر مشتمل ہوتی مثلاً مقدمة فی اصول التفسیر میں جو کچھ ہے وہی چیزیں شاہ ولی اللہؒ کی کتاب الفوز الکبیر میں بہت کم یا مختلف انداز میں ملے گی۔ یا ہر مفسر کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ جن کو وہ یا تو مقدمة الکتاب میں ذکر کرتے ہیں (مثلاً تفسیر طبری) یا نہیں کرتے پھر وہی اصول مد نظر رکھ کر قرآن کریم کی تفسیر لکھتے ہیں۔

اصول تفسیر کا بیان علم اصول فقہ میں بھی ہوتا ہے۔ بلکہ اصول فقہ کا اکثر حصہ اصول تفسیر ہی پر مشتمل ہے۔ علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں:

"قسم هو کآلة لفهم واستخراج مافیه من الفوائد، والمعین علی معرفة مراد الله تعالی منه کعلوم العربیة التی لابد منها و علم القراء ات والناسخ والمسنوخ، وقواعد اصول الفقه، وما أشبه ذلک[21]."

"ایک قسم وہ علوم ہیں جو کہ اس کے فہم اور فوائد کے اظہار کے لیے آلات کی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مراد کے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ جیسے ضروری عربی علوم علم قراءات، ناسخ و منسوخ اور اصول فقہ کے قواعد وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اصول فقہ بھی تفسیر کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے۔"

اس کے دو وجوہ ہیں:

أ. اصول فقہ میں کلام عرب کے فہم کے طریقے بیان ہوتے ہیں۔

ب. اس میں استنباط واستخراج معانی کے قواعد بیان ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اصول تفسیر انہی اصولوں کا نام ہے۔ منہجی لحاظ سے اصول التفسیر کی کتابیں علوم القرآن کی کتابوں سے مختلف ہوتی ہے اور اس فن میں وعلوم القرآن کے مقابلے میں کم کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔

اصول تفسیر کی کتابیں

اصول تفسیر پر سب سے پہلے دستیاب تحریر علامہ ابن تیمیہؒ کی " مقدمۃ فی اصول التفسیر " ہے اس طرح شاہ ولی اللہؒ کی "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر " ہے۔ سر سید احمد خانؒ نے اردو زبان میں " تحریر فی اصول التفسیر " لکھی مولانا محمد طاہرؒ فخ فیری "العرفان فی أصول القرآن " ابو الحسن علی ندویؒ کی کتاب " مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی "امین احسن اصلاحی کی "مبادی تدبر قرآن "اور حمید الدین فراہیؒ کے رسائل جس کا ترجمہ وترتیب خالد مسعود نے " تفسیر قرآن کے اصول "کی ہے شامل ہیں۔ شیخ عبد السلام رستمی کی "تنشیط الأذہان فی أصول القرآن " میں کافی علمی مواد موجود ہیں۔ اس طرح خالد العک کی کتاب " اصول التفسیر وقواعدہ" محسن عبدالحمید کی کتاب "دراسات فی اصول التفسیر "عبدالرحمن السعدی کی کتاب "القواعد الحسان لتفسیر القرآن " المیدانی کی کتاب " قواعد التدبر الامثل لکتاب اللہ عزوجل " شامل ہیں۔

علوم القرآن کی کتابیں

علوم القرآن کے عنوان سے کئی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں جن میں "فنون الأفنان فی عجائب علوم القرآن "بدرالدین الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن، الاتقان فی علوم القرآن لجلال الدین السیوطیؒ "مناہل العرفان "عبدالعظیم الزرقانی مناع القطان کی کتاب "مباحث فی علوم القرآن "اور محمد مالک کاندھلوی کی کتاب " منازل العرفان فی علوم القرآن "علاوہ ازیں شمس الحق افغانیؒ، محمد تقی عثمانی اور مولانا گوہر رحمن کی کتابیں "علوم القرآن " کے نام سے موجود ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ اصول التفسیر اور علوم القرآن ایک علم کے دو نام ہیں لیکن ساتھ ساتھ دونوں میں فرق بھی ہے۔ چنانچہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس علم کے ارتقاء پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

اصول تفسیر کا تاریخی پس منظر

یہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہر دور میں موجود رہا، اور تفسیر کا عمل ان اصولوں کے مطابق جاری رہا، تاہم اس کی تدوین کی چنداں ضرورت نہیں تھی[22]۔ چنانچہ تمام علوم مدونہ کے طرح یہ علم بھی ابتداء میں مدون نہیں تھا، اور بعد میں باقی علوم دینیہ کی طرح یہ علم بھی مدون ہوا۔ ابتداء ہی سے صحابہ کرام نے اصول تفسیر کو اہمیت دی اور اس کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، اور یہ بات درج ذیل شواہد سے ثابت ہے۔

حضرت علیؓ نے ایک قصہ گو کی اس بناء سرزنش کی کہ اس کو ناسخ ومنسوخ کا علم نہیں تھا، اس طرح انہوں نے ""اعراب القرآن ""کو اہمیت دی اور ابوالاسود دولی کو اعراب کے قواعد وضع کرنے کا حکم دیا، چنانچہ علیؓ "اعراب القرآن " کے اصلی بانی ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ "اسباب نزول" کے اصول کو زبردست اہمیت دیتے تھے اور "اسباب نزول" کے بیان میں کافی ماہر تھے[23]۔

عبداللہ بن عباس نے ابن الارزق کے قرآنی مشکل الفاظ سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے اور قدیم شعراء جاہلی کے کلام کو بطور شواہد پیش کیا، تو ایک طرف انھوں نے "غریب القرآن" پر توجہ دی۔ دوسری طرف انہوں نے لغوی استعمالات کو اہم قرار دیا[24]۔

اس کے بعد اصول تفسیر کی تدوین کا عمل شروع ہو جو کہ مندرجہ ذیل چار مراحل پر محیط ہیں:

أ. **مرحلہ:** اس مرحلے میں ان اصول میں ہر ایک کو علیحدہ موضوع بحث بنایا گیا، اور ہر موضوع پر مستقل کتب تحریر کئے گئے۔ سب سے پہلے ابوالاسود نے "اعراب" کے موضوع پر کتاب لکھی[25] اس کے بعد مختلف کتب تصنیف کئے گئے۔ ان میں عکرمہ کی "اسباب النزول" ابان البکری کی "غریب القرآن" الکسائی کی "کتاب القراءات" قابل ذکر ہیں۔

ب. **مرحلہ:** یہ مرحلہ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں شروع ہوا اس مرحلے میں اصول تفسیر کے متعدد مباحث کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور اصول تفسیر کو اصول فقہ کے ساتھ مدون کیا گیا۔ اس کی ابتداء امام شافعیؒ نے کی اپنی کتاب "الرسالۃ" میں اس کتاب میں اجماع قیاس، استحسان کے ساتھ جو کہ اصول فقہ کے موضوعات ہیں۔ نسخ عموم و خصوصی امر و نہی وغیرہ کو بیان کیا گیا[26]۔

موجودہ اصول فقہ بھی اصول تفسیر کے مباحث پر مشتمل ہے۔ بلکہ یہی مباحث اس علم کا اصلی جوہر اور مغز ہیں[27]۔ میرے خیال میں یہی وجہ ہے کہ بڑے عرصے تک اصول تفسیر کی الگ تدوین کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس طرح الگ الگ موضوعات پر کتب تحریر کرنے کا طریقہ قائم رہا۔ فراء نے "معانی القرآن" ابوعبیدہ، الزدیؒ، قطربؒ اور ثعلبؒ نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ "قراء ات" پر الدوری "اعراب" پر مبرد "ابوحاتم قطرب۔ "بلاغہ واعجاز" پر جاحظ، وغیرہ نے کتابیں لکھیں۔

ت. **مرحلہ:** اس مرحلے کی ابتداء تو تیسری صدی میں ہوئی تھی یا چوتھی صدی میں فروغ ملا، اس مرحلے میں اصول تفسیر کے مباحث کو علوم القرآن کے نام سے ایک مستقل مدون علم کی شکل دیدی گئی، اور بہت سی کتابیں منظر عام پر آئی لیکن یہ تین کتابیں کافی مشہور ہیں:

فنون الأفنان لابن الجوزی — البرہان فی علوم القرآن لزرکشی — الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی

ث. **مرحلہ:** یہ ساتویں صدی ہجری میں شروع ہوا۔ اس مرحلے میں علوم القرآن میں شامل مباحث کو مختصر کر کے قواعد کی شکل دی گئی، اور مزید قواعد کی شکل دی گئی، اور مزید قواعد شامل کر کے اس علم کو "اصول التفسیر" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس میں سب سے پہلی کتاب ابن تیمیہؒ نے تحریر کی جس کا نام "مقدمہ فی اصول التفسیر" ہے۔ اس کے بعد شاہ ولیؒ اللہ نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" لکھی۔ بعد میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں ان میں نواب صدیق حسن خاں کی کتاب "الاکسیر فی اصول التفسیر" سر سید احمد خان کی "التحریر فی اصول التفسیر" مولانا محمد طاہر پنج پیری کی "العرفان فی اصول القرآن" خالد العک کی "اصول التفسیر و قواعدہ" محسن عبدالحمید کی "دراسات فی اصول التفسیر"، عبدالرحمن اسعدی کی "القواعد الحسان التفسیر القرآن" اور المیدانی کی "قواعد التدبر الامثل لکتاب اللہ عزوجل" نمایاں ہیں۔

الطبری اور اصول تفسیر

اسلامی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس صدی میں اسلامی ثقافت تمدن اور علوم اپنی عروج کو پہنچی، اور قرآن اور سنت نبوی نے جو شجر علم لگایا تھا۔ وہ اس صدی میں ثمر بار ہوا۔ چنانچہ اس صدی میں بے شمار ماہر علماء پیدا ہوئے۔ ان میں ابو منصور الماتریدیؒ، الأشعریؒ، امام طحاویؒ، ابو بکر الجصاص اور امام طبریؒ جیسے مفکرین شامل ہیں۔ ان میں امام طبریؒ کو علمی جامعیت اور تصنیفی خدمات کے بنیاد پر زبردست فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس مطالعے میں نظران کی تفسیر پر مرکوز کی جاتی ہے۔ خاص کر ان کے تفسیر کا مقدمہ وہ مرکز مطالعہ رہے گا۔

ابن جریر الطبری

چوتھی صدی ہجری کے مایہ ناز علمی شخصیت جن کے خدمات کو بقائے دوام کا خلعت ملا ہے۔ اور جن کے تفسیر کو چار دانگ عالم میں شہرت ملی ہے اور پھر انہوں نے اصول تفسیر پر جامع بحث کی ہے وہ ایک جامع تحقیق کا تقاضا کرتی ہے ذیل میں ہم ان کی حالات زندگی شدید اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

حالات زندگی

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب کا تعلق طبرستان سے تھا، وہ آمل میں ۲۲۴ء ہجری میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں طلب علم کے لیے روانہ ہوئے اور کئی ملکوں کا سفر کیا، مختلف اہل علم سے استفادہ کیا جن میں ابو کریبؒ، ہناد بن السریؒ، اسحق بن ابی اسرائیلؒ اور احمد بن منیع شامل ہیں، امام طبریؒ حکام سے انعام نہیں لیتے تھے، بلکہ اپنے والد کے بھیجی گئی رقم پر گزارہ کرتے تھے، خلیفہ مکتفی نے جب اس کی کتاب پر انعام پیش کیا تو اس کا رد کر دیا، اسے قضا کی پیش کش ہوئی تو اسے قبول نہیں کیا[28] ۔

علمی کارنامے

انہوں نے نہ صرف مختلف علوم میں مہارت حاصل کی۔ بلکہ افادہ عام کے لیے ان کی جمع و تالیف، تنقیح و ترتیب، کا فریضہ بھی انجام دیا۔ چالیس سال تک لکھنے میں مصروف رہے۔ ہر روز چالیس صفحے لکھتے تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات قابل ذکر ہیں:

جامع البیان فی تفسیر القرآن، کتاب اختلاف لعلماء، تاریخ الامم والملوک، العدد والتنزیل، کتاب القراءات، تاریخ الرجال من الصحابۃ والتابعین، کتاب احکام شرائع السلام، التبصیر فی اصول الدین، کتاب لطیف القول فی الفقہ، کتاب الخفیف، اس کے علاوہ کتاب البسط اور تہذیب الاثار کی، ابتداء کی تاہم مکمل نہ کر سکے[29] ۔

ان کتابوں میں تفسیر اور تاریخ کی کتابیں طبری کے وہ کارنامے ہیں۔ جن کا وسیع پیمانے پر اعتراف کیا گیا ہے۔ یہی کتابیں اپنے اپنے موضوع میں بنیادی مصادر کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ اور بعد میں آنے والوں کا انحصار ان پر رہا[30] ۔

تفسیر الطبری

امام طبریؒ ایک محدث، لغوی اور مجتہد فقیہ تھے۔ چنانچہ اس کی تفسیر نہ صرف روایات کا خزانہ ہے۔ بلکہ وہ ان روایات پر ماہرانہ تنقید بھی کرتے ہیں۔ اقوال تفسیر میں دلائل کی بنیاد پر ترجیح دیتے، لغوی مباحث کرتے ہیں [31] اور ان کی روشنی میں دوسروں کی آراء پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہیں اور اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ بعض اوقات تابعین تک کی آراء کو رد کرتے ہیں [32] ۔

چنانچہ اس تفسیر کو صرف تفسیر بالمأثور قرار دینا ناانصافی ہوگی، یہ جامع بین الروایۃ ولدرایۃ ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے:

"من اجل التفاسیر و اعظمها قدراً[33]

"بلند مرتبہ اور عظیم تفسیر ہے۔"

السیوطی کا کہنا ہے:

"اجمع العلماء المعتس برون علی أنه لم یولف فی التفسیر مثله[34] "

معتبر علماء کا اجماع ہے کہ تفسیر کے میدان میں کسی نے اس طرح تفسیر تالیف نہیں کی۔"

ایک عرصے تک یہ تفسیر مفقود تھی، تاہم اس کے متفرق حصے نمونوں کے طور پر مختلف مقامات پر موجود تھے۔ جن کو دیکھ کر لوگ اس تفسیر کے دلدادہ تھے۔ اور اس کی اہمیت کے قائل تھے[35]۔

خوش قسمتی سے اس تفسیر کا ایک نسخہ امیر حائل حمود بن عبدالرشید کے کتب خانے میں پایا گیا۔ چنانچہ اس کامل مخطوطے سے جب یہ عظیم تفسیر طبع ہوئی، تو لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، پھر اس کی طباعت متعدد بار کی گئی[36]۔ اس تفسیر کی بھی خصوصیات ہیں لیکن ہمارا موضوع چونکہ تفسیر کے مقدمے میں ذکر کردہ اصول تفسیر سے ہے اس لیے ہم اس تفسیر کی خصوصیات اور منہج یا اسلوب سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

تفسیر طبری کا مقدمہ

بہت سے مفسرین نے اپنی تفاسیر کے مقدمات لکھے ہیں۔ جن میں قرآن اور تفسیر سے متعلق امور سے انھوں نے بحث کی ہے۔ اور اپنے تفسیر کے منہج اور خصوصیات بیان کرتے ہیں۔ ان مقدمات میں تفسیر طبری کے علاوہ تفسیر قرطبیؒ، تفسیر نیسابوریؒ، تفسیر قاسمیؒ، تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابن عاشور کے مقدمات قابل ذکر ہیں۔ ان تمام مقدمات تفسیر میں سب سے زیادہ اہم مقدمہ تفسیر طبریؒ کا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے جن تفاسیر کی ابتداء میں مقدمات ہیں۔ ان میں تفسیر ابن ابی حاتمؒ، احکام القرآن للجصاص، معانی القرآن للنحاس لیکن یہ مقدمات بہت مختصر ہیں۔ ہاں تین تفاسیر کے مقدمات ایسے ہیں، جن میں اصول تفسیر کے متعلق اہم اشارات موجود ہیں۔ یہ تفاسیر ابو اللیث سمرقندی، تفسیر ماتریدی اور تفسیر طبری کے مقدمات ہیں۔

مقدمہ تفسیر طبری کی خصوصیات

پہلے بھی ہم بتا چکے ہیں کہ تمام تفسیری مقدمات بالعموم اور بالخصوص چوتھی صدی ہجری کی تفاسیر کے مقدمات میں مقدمہ تفسیر طبری کو جو اہمیت ان خصوصیات کی بنا پر ہے جن کا ذکر ذیل میں ہے:

1. طبری کی دور میں کتابوں کے مقدمات لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ یہ ان کا ایک بے مثل اقدام ہے۔ جس سے ان کے تفسیر کو امتیازی مقام حاصل ہوا ہے۔
2. یہ مقدمہ تفسیر اپنے معنوں کے اعتبار سے بھی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ اس میں تفسیر کے متعلق بہت اہم اور قیمتی مباحث شامل ہیں۔
3. یہ مقدمہ حجم کے اعتبار سے بھی ممتاز ہے۔ کیونکہ چوتھی صدی کے دستیاب تفاسیر میں یہ مقدمہ سب سے بڑا اور مفصل ہے

4. سب سے اہم خصوصیات یہ ہے کہ اس مقدمے میں تفسیر کے نہایت اہم اصول اور ضروری ضوابط ذکر کیے گئے ہیں۔ اور اس مقدمے میں پہلی مرتبہ تفسیر کی بنیادی تقسیم نظر آتی ہے، اور تفسیر بالروایۃ اور تفسیر بالرائے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے پہلے تفسیر "روایۃ" ہی کی اصطلاح رائج تھی اور اس تقسیم کا صراحۃً کوئی ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتی۔

الطبری کے مقدمہ میں اصول تفسیر امام طبری نے اپنے مقدمہ تفسیر میں اصول تفسیر ذکر کئے ہیں۔ بعض اصول تو انھوں نے صراحت سے ذکر کئے ہیں اور بعض اصول کی طرف صرف اشارات کئے ہیں۔ بعض آیات کریمات میں صرف تفسیر بالماثور ہی ممکن ہوتی اس اصول کو امام طبریؒ نے مقدمہ تفسیر میں بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ قرآن کریم کے بعض حصے ایسے ہیں جن میں تفسیر الماثور کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"من هذا حقوقه، وحدوده، ومبالغ فرائضه، ومقادير اللازم بعض خلقه لبعض وما اشبه ذلک من أحكام آية التى لم يدرک علملها الا ببيان رسول الله صلى الله عليه وسلم لإمته[37] "

"اس طرح حقوق وحدود کی ذمہ داریاں، اس کے فرائض اور مخلوق پر باہمی حقوق کے مقدارات اور اس طرح کے دوسرے احکام شامل ہیں، جن کا علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔"

سیاق وسباق کو قرآن فہمی میں مدنظر رکھنا

سیاق وسباق کے تقاضے کے مطابق تفسیر بھی تفسیر بالرائے میں شامل ہیں۔ امام طبریؒ سیاق کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ بلکہ سیاق کو ایسے روایات پر ترجیح دیتے ہیں جن کی صحت ثابت شدہ نہ ہو[38]۔

اسباب نزول

امام طبریؒ نے اپنے تفسیر کے مقدمہ میں اصول تفسیر کے باب میں اسباب النزول کا اصول بھی ذکر کیا ہے اور دونوں اقسام کے طرف اشارات کئے ہیں۔ عمومی اسباب النزول اور خصوصی یعنی خاص اسباب نزول[39]۔

اسباب نزول کے ذریعے ترجیح اقوال

جامع البیان کے مؤلف اسباب نزول کے ذریعے روایات اور تفسیری اقوال میں ترجیح دیتے ہیں اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے، کہ وہ اسباب النزول کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ مثلاً(فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللهُ اَرْكَسَهُمْ[40]) میں یہ بحث کی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کن لوگوں کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ اور اس میں متعدد اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

"وأولى الاقوال بالصواب قول من قال نزلت هذا الاية فى اختلاف أصحاب رسول الله فى قوم كانوا ارتدوا عن الاسلام بعد اسلامهم من أهل مكة[41]."

"ان اقوال میں صحت کے زیادہ قریب وہ قول ہے جس میں کہا گیا ہے۔ کہ صحابہ کرام کا اختلاف ان لوگوں جس کے بارے میں تھا جو اسلام لاکر مرتد ہو گئے تھے۔"

عموم لفظ اور خصوص سبب

اسباب نزول سے آیت کا بہتر فہم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ نہ کہا جائے کہ آیت اس خاص واقعے تک محدود ہے، بلکہ یہ قاعدہ

کلیہ ہے، جو اپنے عموم کے لحاظ سے اس جیسے تمام واقعات پر صادق ہے[42] امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"قولهم أن هذه الاية نزلت فی فلان و فلان، لا یر یدون به انها مختصة به، کأیة اللعان، وآیة القذف وآیة المحاربة ونحو ذالک، لا یقول مسلم انها مختصة لمن کان سبب نزولها[43]."

" اور جب (سلف) کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا، کہ آیت ان کے لیے مخصوص ہے۔ جسے لعان، قذف اور محاربہ کے آیات وغیرہ، کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیت ان افراد کے لیے مخصوص ہے جو نزول کا سبب بنے۔"

امام طبریؒ بھی فرماتے ہیں کہ آیت کا نزول کسی خاص سبب کے پیش نظر ہوا ہے۔ تاہم آیت سے معلوم ہونے والا حکم اس تک منحصر نہیں ہوتا، بلکہ حکم عام ہوتا ہے چنانچہ (اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ[44]) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وأولی هذه الأقوال فی ذالک عندی بالصواب، قول من قال نزلت هذه الآیة فی شان عائشة والحکم بها عام[45]."

"ان اَقوال میں میرے نزدیک زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جس میں ہمارے ذکر کردہ صفات موجود ہوں۔"

غریب اور غیر مانوس الفاظ کی وضاحت

یہ وہ الفاظ ہیں جو نامانوس ہونے کی وجہ سے ان کی معانی واضح نہیں ہوتی یا اہل لغہ کے درمیان ان کی معنی میں اختلاف ہوتا ہے اس وجہ سے اجمال واشکال پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ[46]

میں "یجرم" کے معنی ہیں۔ اہل لغہ کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے الطبری لکھتے ہیں:

"وأما أهل المعرفة باللغة فإنهم اختلفوا فی فی تأ و یلها، فقال بعض البصرین معنی قوله"لا یجرمنکم"لا یحقن لکم وقال بعض الکوفیین معناه لا یحملنکم، وقل آخر من الکوفیین، لا یکسبن کم[47]. "

"لغۃ کے جو ماہرین ہیں ان کا اس کی مطلب کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض بصریین کہتے ہیں کہ "لا یجرمنکم" کا معنی ہے تم پر ثابت نہ کریں اور بعض کوفیین کہتے ہیں تم پر باعث نہ بنیں اور ایک کوفی کہتا ہے، تمہارے لیے نہ کمائیں۔"

مشترک

قرآن کریم میں الفاظ مشترک آئے ہیں۔ جن سے ایک مقام پر ایک معنی مراد ہے تو دوسرے جگہ دوسرا معنی مراد ہے۔ اس طرح ایک لفظ مختلف الفاظ کے ساتھ مل کر مختلف معانی پر دلالت کرتا ہے۔ تعین مراد کے اعتبار سے مشترک کے چار اقسام ہیں:

1. اگر مشترک کا ایک معنی متعین طور پر مراد ہو، اور اس کے لیے دلیل قطعی موجود ہو، تو اسے "مفسر" یا نص کہتے ہیں[48] جیسے "فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ[49]" عین سے مراد یہاں قطعی طور پر چشمہ مراد ہے۔
2. اگر معنی مراد کے لیے قرائن موجود ہوں اور اس بناء پر وہ راجح ہو، تو اس کو ظاہر کہتے ہیں۔ جیسے "قرء" سے حنیفہ حیض مراد لیتے

ہیں، کیونکہ ثلاثہ کا عدد اور حدیث میں اس لفظ کا استعمال جیسے قرائن موجود ہے۔

3. اگر معنی قرائن کے اعتبار سے مرجوح ہو اسے مؤول کہا جاتا ہے۔

4. اگر کوئی بھی معنی راجح نہ ہو بلکہ برابر ہو تو پر مجمل ہے [50]۔

امام طبریؒ نے مشترک سے بھی بحث کی ہے۔اس آیت " وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۤءٍ [51]"میں "قروء" لفظ مشترک ہے جس کے معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی امام طبریؒ لکھتے ہیں:

"يقال في أفعل منه:اقرء ت المرءة: اذا صارت ذات حيض و طهر [52]."

"اس سے افعل بنا کر کہا جاتا ہے: "یعنی وہ حیض اور طہر والی بن گئی" پھر کہتے ہیں کہ بعض حیض مراد لیتے ہیں اور اس سلسلے میں بہت سے اقوال بطور تائید ذکر کیے ہیں اور بعض طہر مراد لیتے ہیں اور اس کے تائید میں بھی اقوال ذکر کی ہیں۔ پھر اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ یہ مشترک معنوی ہے [53]۔"

متشابہ

لغوی طور پر متشابہ کے دو معنی ہیں:

اَ. مماثل، یکساں، باہم مشابہت رکھنے والا

ب. وہ کام جس میں التباس ہو، اور اس کا معنی واضح نہ ہو۔

اصطلاحی طور متشابہ کی تین معانی ہیں:

اَ. وکلام جس کا معنی کسی کو بھی معلوم نہ ہو اور نہ اس کی کوئی توقع ہو۔اس کو متشابہ حقیقی کہا جاتا ہے۔

ب. وہ کلام جس کی مراد واضح نہ اس میں کوئی اشتباہ موجود ہو۔ مثلاً اس میں متعدد معانی کی گنجائش ہو، یا اس کی ظاہری معنی تاویل کے بغیر محال ہو، اس کو متشابہ اضافی کہا جاتا ہے۔

ت. وہ کلام جس کا مفہوم تو معلوم ہو۔ تاہم اس کی حقیقت اور خارجی مصداق کا ادراک ممکن نہ ہو۔ اس میں ایسی غیبی حقائق کی اطلاع دی گئی ہو، جس کی اصل حقیقت، مقدار، کیفیات اور وقت معلوم نہ ہو۔

کیا قرآن کریم میں متشابہ حقیقی موجود ہے؟

اس بارے میں دو اقوال ہیں۔

اَ. **قول:** متشابہ موجود ہے۔ اور اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے "وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ [54]" اس لیے کہا وقف "الا اللہ" پر ہے "والراسخون يقولون" علیحدہ جملہ ہے۔ایسے متشابہ کے نازل کرنے کی حکمتیں یہ ہیں۔

1) امتحان، اس میں آزمائش ہے کہ علماء خواہش اور افتاد طبع کے زیر اثر اس کے تلاش میں لگتے ہیں، یا منشاء الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے توقف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس پر ایمان اور تلاوت تک محدود رکھتے ہیں۔

2) اقامۃ الحجۃ کہ قرآنی کریم انسانوں کے زبان میں نازل ہوا اور پھر وہ اس کے ادراک سے عاجز ہیں، تو ثابت ہوا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔

3) احساس عجز کہ علمی قابلیت کے باوجود متشابہ کا دراک نہیں کر سکتا، اس سے کلام الٰہی کی عظمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

ب. **قول** : ایسا متشابہ قرآن میں موجود نہیں "الرٰكِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُه ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ[55]" اس طرح ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ تمام قرآن کا علم مجھے حاصل ہے۔ سوائے چار باتوں کے اور ان باتوں کا علم بھی بعد میں انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ "ومایعلم تاویله" کا جواب یہ ہے کہ "الراسخون" کا لفظ "اللہ" پر معطوف ہے اور "یقولون" حال ہے[56]۔

ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ میں راسخین فی العلم میں شامل ہوں[57] اسی طرح مجاہد کا کہنا ہے "الراسخون یعلمونه" یعنی راسخین کو متشابہ کا علم حاصل ہے[58]۔

امام طبریؒ کا موقف

امام طبریؒ نے مقدمہ تفسیر میں متشابہ کا ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ کہ قرآن کریم میں محکم بھی موجود ہے اور متشابہ بھی، چنانچہ لکھتے ہیں:

"اللهم وفقنا لا صابة صواب القول فی محكمة ومتشابه[59] "

"اے اللہ! محکم و متشابہ کے بارے میں صحیح بات کرنے کی ہمیں توفیق دیدے جملہ دعائیہ ذکر کر کے اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ مشکل مقام ہے، جو زبردست احتیاط کا متقاضی ہے، تاہم امام طرح متشابہ کی مشہور تشریح کے بجائے ایک اور تشریح کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ متشابہ وہ ہے جس کا مصداق اور اس کی کیفیات وغیرہ معلوم نہ ہوں[60]۔"

تاہم امام طبریؒ متشابہ کے معنی کی معرفت کے قائل ہیں اور اس میں تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ راقم "اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ[61] " کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"کلام عرب میں "استواء" کے کئی معانی ہیں، ان میں پوری قوت کو پہنچنا، ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا، کسی چیز پر توجہ دینا، کسی چیز پر قبضہ وغلو حاصل کرنا، اونچا ہونا اور بالا ہونا شامل ہیں[62]۔"

پھر ان میں ایک معنی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأولى المعانى علا عليهن وارتفع فدبرهن بقدرته[63]."

"زیادہ مناسب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اور بالا ہوا اور اپنی قدرت سے ان کی تدبیر کی۔"

حقیقہ، مجاز، کنایہ

چونکہ قرآن کریم محاورات واسالیب عرب کے مطابق نازل ہوا اور اسالیب عرب میں مجاز کا استعمال بھی شامل ہے، لہٰذا قرآن کریم میں مجاز کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آیت میں موجود حقیقہ ومجاز کے درمیان امتیاز کرے اور یہ معلوم کرے کہ حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی؟ اس طرح صحیح مراد تک رسائی ممکن ہو گی[64]۔

حقیقت اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اسی میں استعمال کیا گیا ہو اور وہی معنی اس سے مراد ہے۔ اور مجاز سے مراد وہ لفظ ہے جو ایسے معنی میں استعمال کیا گیا ہو، جس کے لیے اس سے وضع نہیں کیا گیا اور معنی موضوع لہ کے بجائے دوسرا معنی مراد لیا گیا ہو[65]۔

امام طبریؒ کا موقف: ان کے نزدیک قرآن کریم میں مجاز واستعارہ موجود ہے۔اس اصول کو امام طبریؒ مقدمہ تفسیر میں ذکر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"فبین إن کان موجدا فی کلام العرب--- اظهار المعانی بالاسماء دون الکنایة عنها والاسرار فی بعض الاوقات --- ان یکون ما فی کتاب الله المنزل علی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم من ذلک فی کل ذلک له نظیرا[66] ."

"ظاہر ہے کہ جب کلام عرب میں یہ طرز موجود ہے کہ کنایہ کے بغیر نام لے کر معانی کا اظہار کرنا اور بعض اوقات (دوسرے لفظ ذکر کرکے) اس کو راز کی حیثیت دینا۔۔۔ تو اللہ تعالی کی اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب میں ان میں ہر شی کا نظیر اور مثل ہوگا۔"

چنانچہ امام طبریؒ نے تفسیر میں بے شمار مقامات پر مجاز مراد لیا ہے وہ"وَوَضَعَ الْمِيْزَان[67] "کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میزان سے حقیقی ترازو مراد ہے۔تاہم یہاں مجاز مراد ہے وہ کہتے ہیں: یقول: ووضع العدل بین خلقه[68] اللہ تعالی فرماتے ہیں: انہوں نے اپنے مخلوق کے درمیان عدل مقرر کردیا ہے۔

کنایہ

امام طبریؒ نے اس اصول کا ذکر اپنے تفسیر کے مقدمہ میں اس طرح ذکر کیا ہے:

" فبین اذ کان موجودا فی کلام العرب"الخبر"عن الکنایة و المرادالمصرح[69] "

"ظاہر ہوا کہ چونکہ کلام عرب میں کنایہ کے ذریعے خبر دی جاتی ہے اور مراد صریح ہوتا ہے۔"

اس اصول کے پیش نظر انہوں نے"فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ[70] " کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے۔اس سے مراد سخت افسوس کرنا اور غم کا اظہار کرنا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"تلهفا واسفاعلی ذهاب نفقة التی انفق فی جنته[71] "

"افسوس اور غم کا اظہار کرتے ہوئے اس خرچ پر جو اس نے اپنے باغ پر کیا تھا۔"

عام اور خاص

قرآن کریم میں دونوں قسم سے الفاظ مذکور ہیں، چنانچہ ان کی معانی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

أ. خاص وہ لفظ ہے جو ایک معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔چاہے وہ ایک متعین فرد ہو، جیسے۔ أحمد، یا معنی کلی ہو جس کے بہت سے افراد ہوں جیسے انسان[72] ۔

ب. عام وہ لفظ ہے جو ایک وضع سے متعدد اشیاء کے لیے وضع کیا گیا ہو اور بیک وقت سب پر دلالت کرلے۔

قرآن کریم میں عام اور خاص دونوں موجود ہیں امام طبریؒ نے اس اصول کی طرف اپنے تفسیر کے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"والخبر عن الخاص فی المراد بالعام الظاهر،وعن العام فی المراد بالخاص الظاهر،ان یکون ما فی کتاب

الله المنزل علی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم من ذالک فی ذالک له نظیراً[73] "

"بظاہر عام ذکر ہوتا ہے اور مراد خاص ہوتا ہے اور کبھی بظاہر خاص ذکر ہوتا ہے اور اس سے مراد عام ہوتا ہے، تو اللہ تعالی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب میں ہر شئی کا مثل اور نظیر موجود ہو گا۔"

اسلوب قرآن کریم

قرآن کریم کی وہی اسالیب کلام ہے جو اس وقت عربوں کا اسلوب تھا۔ اس اصول کو امام طبریؒ نے مقدمہ تفسیر میں بہت اہمیت دی ہے اور پھر مقدمہ تفسیر میں مختلف اسالیب جب میں حذف، ایجاز، اطناب، تقدیم وتاخیر، ابدال وغیرہ شامل ہیں۔

ایجاز وحذف

قرآن کریم میں اسلوب ایجاز موجود ہے، تفسیر کے مقدمہ میں اس اصول کا امام طبریؒ نے یوں ذکر کیا ہے:

"اذا کان موجودا فی کلام العرب لایجاز و الختصار، والاجتزاء بالاخفاء من الاظهار، وبالقلة من الاکثار فی بعض الأحوال[74] ."

"جب کلام عرب میں ایجاز واختصار، اور بعض حالات میں اظہار کے بجائے اخفاء اور زیادت کے بجائے کمی پر گزارہ کیا جاتا ہے۔"

اس طرح انہوں نے حذف کے اصول سے بھی بات کی ہے۔ سورۃ البقرہ کی اس آیت کریمہ "وَأُشْرِبُوْا فِی قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ[75] "کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"واولی التأویلین..تأویل من قال : واشربوا فی قلوبهم حب العجل، لکنه ترک ذکر الحب اکتفاء بفهم السامع لمغی الکلام، اذ کان معلوما أن العجل لا یشرب القلب[76] ."

اطناب

اطناب سے مراد یہ ہے ایک مضمون کو زیادہ الفاظ میں پھیلا کر بیان کیا جائے۔ اس کے درج ذیل اقسام ہیں۔

أ. **تفصیل بعد الجمال:** یعنی پہلے بات کا خلاصہ ذکر کیا جائے، اور پھر تفصیل کی جائے[77] ۔ جیسے سورۃ القصص کی آیۃ ۴تا۶ میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اجمالا بیان کیا، پھر اس کی تفصیل کر دی۔ اس سے بات کی اچھی طرح وضاحت ہوتی ہے اور مضمون اچھی طرح ذہن نشین ہوتی ہے۔

ب. **تخصیص بعد تعمیم** : یعنی عام کے بعد خاص کا ذکر کرنا، یہی اس خاص کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، کہ گویا یہ خاص اتنا ممتاز ہے کہ عام میں داخل نہیں مثلاً "حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی[78] "

ت. **تکمیل:** یعنی کلام سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے الفاظ بڑھائے جائیں۔ مثلاً "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ[79] "

ث. **تتمیم:** یعنی دوسرے نکتے کے لیے اضافہ کیا جائے۔ مثلاً "وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّه[80] " "علی حبه" سے ان کے قربانی کا بیان مقصود ہے۔

ج. **ایغال:** مبالغہ اور مزید تعمق کے لیے اضافہ کیا جائے "اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ[81] "

ح. **تذئیل:** پہلے کلام کا ہم معنی اضافہ جو تاکید کے لیے لایا جائے، اکثر وہ ایک ضرب المثل ہوتا ہے۔ مثلاً "وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا[82] "

خ. **اعتراض:** کلام کے درمیان ایسا اضافہ جو کلام کا جز نہ ہو کسی خاص امر کے طرف توجہ مبذول کرنے کے لیے لایا جائے۔ مثلاً "وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَه لا وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ[83] "اس میں "سُبْحٰنَه" اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے لیے ذکر ہوا ہے[84]۔

وہ اپنے تفسیر کے مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں:

"اذا كان موجوداً فی كلام العرب استعمال الاطالة والإكثار، والترداد والتكرار، أن يكون ما فی كتابه المنزل علی نبيه محمد صلى الله عليه وسلم من ذلک له نظيراً[85] "

"جب کلام عرب میں تطویل اور زیادہ الفاظ کا استعمال بار بار دہرانا اور تکرار موجود ہے۔ تو قرآن کریم میں اس کا نظیر ضرور ہوگا۔"

تصریف

قرآن کریم میں مختلف مضامین بار بار مختلف تعبیرات اور گوناگوں پیرایوں میں دہرایے گئے ہیں، ہر مقام و اہداف کے مناسب سے علیحدہ طرز تعبیر اختیار کیا گیا ہے، مضمون کو منفرد سیاق و سباق میں بیان کیا گیا ہے اور ہر مقام پر مضمون کے مختلف پہلو اجاگر کیے گئے ہیں اور اس کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے، تا کہ اس کا کوئی پہلو مخفی نہ رہے۔ اور تمام گوشے واضح ہو جائیں[86]

الزرکشی تحریر کرتا ہے:

" ان ابراز الكلام فی فنون كثيرة واساليبه لا يخفى ما فيه من الفصاحة[87] "

"بات کو متعدد اطوار اور طریقوں سے بیان کرنے میں جو فصاحت ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔"

اس طرز بیان کو اختیار کرنے میں بے شمار حکمتیں ہیں:

1. لفظی تکرار کی ناگواری سے احتراز ہوتا ہے۔
2. فطین افراد کے لیے ایک تازگی کا احساس ملتا ہے۔
3. ہر تعبیر دوسرے کے فہم کے لیے قرینے کا کام دیتا ہے، چنانچہ اسے بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے[88]۔
4. مضمون کی تکمیل ہوتی ہے، کہ ایک جگہ ایک پہلو اور دوسری جگہ دوسرا آتا ہے۔
5. ایک بات سے ہر جگہ نیا ہدف حاصل کیا جاتا ہے اور نئے افکار کا اضافہ کیا جاتا ہے، اور ایک چیز کی نئی جدید صورتوں کے طرف اشارہ ہوتا ہے[89]۔

اگر کہیں لفظی تکرار بھی آجائے، تو اس سے پیغام کو بہتر طور پر سمجھنے میں آسانی رہتی ہے، اس میں تاکید، تنبیہ، تطریہ، تہدید، تعجب اور تعظیم و تہویل جیسے فوائد ہیں[90] اس اصول کو امام طبریؒ نے اپنی مقدمۃ تفسیر میں اس طرح بیان کیا:

"اذا کا موجوداً فی کلام العرب، التراود و التکرار، ان یکو ما فی کتابه المنزل علی نبیه محمدصلی الله علیه وسلم من ذالک فی کل ذلک له نظیراً[91] "

"جب کلام عرب میں بار بار دہرانااور تکرار موجود ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردا کتاب میں ان کا نظیر ضرور موجود ہوگا"

تقدیم وتاخیر

قرآن کریم میں تقدیم وتاخیر کا اسلوب بھی موجود ہے۔اس اصول کو امام طبریؒ نے مقدمہ تفسیر میں ذکر کیا ہے، ہو لکھتے ہیں:

"اذا کان موجودا فی کلام العرب، تقدیم ما هوفی المعنی مؤخر و تاخیر ماهو فی المعنی مقدم، ان ما فی کتاب الله المنزل علی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم من ذالک له نظیراً[92] "

"جب کلام عرب میں یہ موجود ہے کہ معنی میں مؤخر کو مقدم کیا جاتا ہے اور مقدم کو مؤخر کیا جاتا ہے، تو کتاب اللہ میں بھی ہر ایک طرز کی نظیر موجود ہوگی۔"

اپنی تفسیر میں اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے اس آیۃ الکریمۃ"وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى[93] "کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقدم قوله(لکان لزاما) قبل قوله (اجل مسمی) ومعنی الکلام، ولولا کلمة سبقت من ربک واجل مسمی لکان لزاما[94] "

"لکان لزاما"کو" اجل مسمی"پر مقدم کیا گیا ہے، اور کلام کا مطلب یہ ہے، اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہوتی اور وقت مقرر نہ ہوتا، تو یہ عذاب لازم ہوتا۔"

قراءات

فہم قرآن کریم میں علم قراءات کا بہت عمل دخل ہے۔ چنانچہ امام الطبری نے اس اصول کو مقدمہ تفسیر میں بیان کیا ہے اور قرآن کریم میں قبائل عرب کے لغات کی موجودگی کو ثابت کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی حدیث" نزل القرآن علی سبعة احرف"کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے۔ بہت سے روایات نقل کرنے، اور ان میں طویل بحث وتمحیص کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

"صح و ثبت ان الذی أنزل به القرآن من ألسن العرب، البعض منها ،رون الجمیع ،اذکان معلوما أن السنتها و لغاتها اکثرمن سبعة بما یعجز عن احصاه[95] "

"یہ صحیح وثابت ہے کہ لغات میں جن پر قرآن کریم کا نزول ہوا، تمام لغات نہیں، بلکہ بعض ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ عرب کے لغات سات سے اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔"

امام طبریؒ قراءات کی مدد سے فہم آیت کو واضح کرتے ہیں مثلاً" الا ان یخافا ألا یقیما حدود الله[96] "میں قراءات ابیؓ" الا أن یظنا"ہے۔اس کو ذکر کر کے لکھا ہے:

"والعرب قد تضع الظن موضوع الخوف و الخوف موضوع الظن التقارب معینهما[97] "

"عرب کبھی ظن کو خوف کی جگہ اور خوف کو ظن کی جگہ استعمال کرتے ہیں، کیونکہ ان کے معانی باہم قریب ہیں۔"

اس طرح "والسارق و السارقة فاقطعوا أيديهما[98]" کی تفسیر قراءۃ ابن مسعودؓ "فاقطعوا ایما نھما" کی بنیاد پر کرکے کہتے ہیں:

" والمعنى ايديهما اليمنى[99] "

خلاصہ بحث

اس بحث سے پتہ چلا کہ تمام تفسیری مقدمات میں بالعموم اور بالخصوص چوتھی صدی ہجری کی تفاسیر کے مقدمات میں مقدمہ تفسیر طبری کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی اور مقدمہ تفسیر کو حاصل نہیں اور جو اصطلاحات، امام طبریؒ نے مقدمہ تفسیر میں استعمال کئے ہیں بعد میں آنے والے مفسرین کرام نے ان کو اپنایا اور خود ان اصولوں کو امام طبریؒ نے بھی اپنی تفسیر میں مد نظر رکھا۔ امت اسلامی کی علمی ورثہ میں ایک اہم اضافہ کیا، جو کہ تفسیر کے میدان میں لوگ قیامت تک اس سے مستفید ہوں گے۔

حواشی وحوالہ جات

1 السعدی، عبدالرحمن بن ناصر، القواعد الحسان لتفسیر القرآن: ۹، مکتبۃ الرشید، الریاض، ۱۹۹۹ء

2 سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۹

3 اصلاحی، امین احسن، اصول فہم القرآن: ۷، ادارۃ تدبر قرآن وحدیث، لاہور، ۱۹۹۹ء

4 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی: ۱۵۶، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء

5 صالح، محمد ادیب، تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی ۱: ۹۰ ، مطبع وسن اشاعت نامعلوم

6 نفس مصدر ۱: ۹۱

7 تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی ۱: ۹۲

8 المیدانی، عبدالرحمن حسن، قواعد التدبر الامثل لکتاب اللہ عزوجل ۱۱-۱۲، دارالقلم طبع ثانی، دمشق، ۱۹۸۹ء

9 محاضرات قرآنی: ۱۶۸

10 ابن منظور، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب ۱: ۱۵۵، مادۃ (اص ل) داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء

11 فیروزآبادی، مجدالدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط ۲: ۱۵۸ ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۱ء

12 لسان العرب ۱۰: ۲۶۱ مادۃ (س ف ر)

13 نفس مصدر ۶: ۲۷۹

14 القاموس المحیط ۲: ۱۷

15 الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۷۷ء

16 الراغب، ابوالقاسم الحسین بن محمد الاصفہانی، مفردات القرآن: ۵۷۶، مطبع نور محمد، کراچی (س-ن)

17 ابن تیمیہ، تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم، دقائق التفسیر ۱: ۳۰، موسستہ القرآن، بیروت، ۱۹۷۴ء

18 البرہان ۱: ۳۳

19 ابوحیان، محمد بن یوسف الاندلسی، البحر المحیط فی تفسیر القرآن ۱: ۶۲، جامعہ محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض، ۱۹۲۲ء

20 القطان، مناع خلیل، مباحث فی علوم القرآن: ۱۵، مطبع وسن اشاعت نامعلوم

21 امام شاطبیؒ، ابراہیم بن موسیٰ بن محمد، الموافقات: ۶۴۲، دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء

22 ڈاکٹر صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن: ۱۱۱، دار العلم، بیروت، ۱۹۶۸ء

23 الطبری، أبو جعفر محمد بن یزید، جامع البیان فی تأویل آی القرآن ۱: ۶۳، موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

24 العبیدی، رشید عبد الرحمن، مقدمۃ فنون الافنان لابن الجوزی: ۱۸-۱۹، مطبعہ الجامع العلمی، بغداد، ۱۹۸۸ء

25 مباحث فی علوم القرآن: ۱۲۰

26 تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی ۱: ۹۴

27 فراہی، تفسیر قرآن کے اصول: ۷۷، ادارۃ تدبر قرآن وحدیث، لاہور (س۔ن)

28 الذہبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۰۳-۲۰۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۸۹ء

29 نفس مصدر ۱: ۲۰۲

30 گولڈ زیہر، مذاہب التفسیر الاسلامی: ۱۰۷- ۱۰۸، مطبع وسن اشاعت نامعلوم

31 الذہبی، شمس الدین، التفسیر والمفسرون: ۲۳، دار العلم، بیروت، ۱۴۲۲ھ

32 جالندہری، فتح محمد، علم تفسیر اور مفسرین: ۳۵، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۰ء

33 ابن تیمیہ، أبو العباس عبد الحلیم، مقدمہ فی اصول التفسیر: ۲۷، دار صادر، بیروت، ۱۴۲۱ھ

34 السیوطی، عبد الرحمان بن أبی بکر جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۲۴۴، الہیئۃ المصریہ، العامۃ للکتاب، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء

35 مذاہب التفسیر الاسلامی: ۱۰۸

36 التفسیر والمفسرون ۱: ۱۴۹

37 تفسیر الطبری ۱: ۳۳

38 نفس مصدر: ۲۵، ۵۶

39 تفسیر الطبری ۱: ۳۶

40 سورۃ النساء ۴: ۸۸

41 تفسیر طبری ۱: ۱۹۴- ۱۹۵

42 الدہلوی، شاہ ولی اللہ (أحمد بن عبد الرحیم) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: ۵۷، دار الصحوہ، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء

43 ابن تیمیہ، أبو العباس، أحمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی ۱۶: ۱۴۸، مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ، ۱۹۹۵ء

44 سورۃ النور ۲۴: ۲۳

45 تفسیر الطبری ۱۸: ۲۶

46 سورۃ المائدۃ ۵: ۲

47 تفسیر الطبری ۵: ۶۳- ۶۴

48 الرازی، فخر الدین، معالم فی اصول الفقہ: ۳۰، مطبع وسن اشاعت نامعلوم

49 سورۃ الغاشیہ ۸۸: ۱۲

50 امام غزالی، أبو حامد، محمد بن محمد، المستصفی ا: ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء
51 سورۃ البقرۃ ۲ :۲۲۷
52 تفسیر طبری ۲: ۴۴۴
53 نفس مصدر ۲: ۴۴۵
54 سورۃ آل عمران ۳ :۷
55 سورۃ ھود ۱۱: ۱
56 ابن قتیبہ، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم، تاویل مشکل القرآن: ۶۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۷ء
57 البرہان ۲: ۸۴
58 امام بخاری، أبو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب التفسیر ۲: ۶۵۲، دار طوق النجاۃ (س۔ن)
59 تفسیر الطبری ۱: ۳۳
60 نفس مصدر
61 سورۃ البقرۃ ۲: ۲۹
62 تفسیر الطبری ۱: ۱۹۱- ۱۹۲
63 نفس مصدر
64 الخولی، استاد أمین، دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اردو) ۶: ۱۷۴، مطبع و سن اشاعت نامعلوم
65 الشاشی، نظام أبو علی محمد بن أحمد، أصول الشاسی: ۱۲، دار الکتاب العربی، بیروت (س۔ن)
66 تفسیر الطبری ۱: ۷
67 سورۃ الرحمن ۵۵ :۷
68 تفسیر الطبری ۱۰: ۴۱
69 نفس مصدر ۱: ۷
70 سورۃ الکہف ۱۸: ۴۲
71 تفسیر الطبری ۱: ۷
72 عبد الکریم زیدان، الوجیز فی اصول الفقہ: ۲۷۹، مطبع و سن اشاعت نامعلوم
73 تفسیر الطبری ۱: ۷
74 نفس مصدر
75 سورۃ البقرۃ ۲: ۹۳
76 تفسیر الطبری ۱: ۴۲۳
77 الایجاز فی بعض انواع المجاز: ۴
78 سورۃ البقرۃ ۲: ۲۳۸

79 سورۃ الفتح ۴۸ :۲۹

80 سورۃ الدہر ۷۶: ۸

81 سورۃ یٰسین ۳۶: ۲۱

82 سورۃ الاسراء ۱۷: ۸۱

83 سورۃ النحل ۱۶: ۵۷

84 تلخیص المفتاح: ۴۵- ۴۶

85 تفسیر الطبری ۱: ۷

86 اصلاحی، امین احسن تدبر قرآن ۱: ۲۵، مطبع و سن اشاعت نامعلوم

87 البرہان فی علوم القرآن ۲: ۳۰

88 المیدانی، قواعد التدبر الامثل الکتاب اللہ عز و جل: ۵۱۵، مطبع و سن اشاعت نامعلوم

89 نفس مصدر: ۳۰۷

90 البرہان فی علوم القرآن ۳: ۱۵- ۱۶

91 تفسیر الطبری ۱: ۷

92 نفس مصدر

93 سورۃ طٰہٰ ۲۰: ۱۲۹

94 تفسیر الطبری ۹: ۴۰

95 نفس مصدر ۲: ۲۰

96 سورۃ البقرہ ۲: ۲۲۹

97 تفسیر الطبری ۲: ۴۶۰

98 سورۃ المائدہ ۵: ۳۸

99 تفسیر الطبری ۲: ۲۲۸